ISSN: 2959-2224 (Online) and 2959-2216 (Print)
Open Access: https://journals.iub.edu.pk/index.php/uas/index
Publisher by: Department of Hadith, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.

قیام امن میں تصور خیر کا کردار: تعلیمات نبوی کی روشنی میں

The Role of the Concept of Goodness in Establishing Peace: In the Light of the Teachings of the Prophet (PBUH)

Dr. Sajjad Hussain*

Assistant Professor Department of Islamic Studies, Mohi-ud- Din Islamic University Nerian Sharif AJK

Muhammad Saqib

PhD. Scholar , Department of Islamic Studies, Mohi-ud- Din Islamic University Nerian Sharif AJK

Abstract

The philosophy of good and evil exists in every religion and ideology. In some traditions, they are considered two separate forces, while in others, both are claimed to be powerful deities. This philosophy serves as the basis for discussions on the aspects of good and evil present in society. It also plays a crucial role in societal and moral development. Whether viewed from a worldly perspective or in terms of the hereafter, the philosophy of good and evil has a profound influence. Islam, too, presents the concept of good and evil. It emphasizes character-building by making individuals aware of the consequences of good and evil—encouraging them to face the outcomes of good with goodness and the results of evil with its corresponding consequences. In the mentioned hadith, the Holy Prophets ﷺ adopted a beautiful approach to spreading goodness and uttered supplicatory and commendatory words for those through whom Allah spreads goodness. This paper builds upon this idea to analyze the role of personalities and authorities in establishing peace, focusing on their moral conduct, responsible and irresponsible behaviour, and both positive and negative attitudes. The study aims to enhance understanding of Islam's concept of good and evil and contribute to societal welfare and public peace. An analytical methodology has been employed for this paper. In the conclusion, key findings and recommendations are systematically presented.

Keywords: Islam, Good, Evil, Public Peace, Religions

تعارف:

خیر اور شر کا فلسفہ ہر مذہب اور ہر ازم میں موجود ہے۔ کہیں پر اس کو دو الگ الگ طاقتیں تصور کیا جاتا ہے تو کہیں ان دونوں کے طاقتور خدا ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اسی فلسفہ کی بنیاد پر معاشرے میں پھیلے خیر اور شر کے پہلوؤں کا زیر بحث لایا جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر معاشرتی و اخلاقی ترقی کا انحصار ہے۔ چاہے دنیوی اعتبار سے دیکھا جائے یا اخروی اعتبار ہر دو لحاظ سے خیر اور شر کے فلسفہ کو گہرا

* Email of corresponding author: sajjad.hussain@miu.edu.pk

عمل دخل حاصل ہے۔ اسلام نے بھی خیر اور شر کا تصور پیش کیا ہے۔ اور خیر کے نتائج کو خیر کے ساتھ اور شر کے نتائج کو شر کے ساتھ سامنا کرنے کی عاقبت کو پیش نظر رکھ کر انسان کو شخصیت سازی کا درس دیا ہے۔ مذکورہ حدیث میں خاتم الانبیاء ﷺ نے خیر اور بھلائی کو عام کرنے کے لیے خوبصورت انداز اختیار فرمایا اور ان لوگوں کے لیے دعائیہ و تعریفی کلمات ارشاد فرمائے جن کے ہاتھوں اللہ تعالی خیر کو عام کرتا ہے۔ اس مقالہ میں اس نظریہ کو بنیاد بنا کر قیام امن میں شخصیات اور ارباب اختیار کے اخلاق و عادات، ذمہ دارانہ اور غیر ذمہ دارانہ منفی و مثبت رویوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ جس سے امید کی جاسکتی ہے کہ اسلام کے تصور خیر اور شر کو سمجھنے اور معاشرے میں فلاح و بہبود اور امن عامہ کے قیام میں مدد ملے گی۔ اس مقالہ کے لیے تجزیاتی منہج اختیار کیا گیا ہے۔ مقالہ کے آخر پر اہم نتائج اور سفارشات منطقی ترتیب سے ذکر کیے گئے ہیں۔

قبل از اسلام انسانیت ہر طرح کے شر اور فساد سے دوچار تھی۔ زندگی کا تمام نظام درہم برہم تھا چاہے اس کا تعلق عقیدے کے ساتھ ہو یا اعمال کے ساتھ۔ معیشت، معاشرت اور سیاست ہر میدان میں خیر کے راست مسدود تھے اور شر اپنے پورے زور و شور کے ساتھ غالب تھا۔ ایسا عالم تھا کہ بظاہر امید کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی لیکن سسکتی انسانیت پر جب خالق لم یزل کو رحم آیا تو اپنے حبیب ﷺ کو آخری نبی بنا کر مبعوث فرمایا جن کی تعلیمات سے ایک دفعہ پھر انسانیت زندگی کی رنگینیوں سے روشناس ہوئی اور ہر طرف خیر اور بھلائی کی خوشبو پھیل گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھلائی کے رستوں کو آسان بنانے اور شر کو روکنے کے لئے ہر ممکن قدم اُٹھایا اس کے لئے واضح اور روشن تعلیمات فراہم کیں جن کی اتباع و پیروی میں قوم و ملت کے راز پنہاں ہیں۔ بالخصوص ایک اچھے اور مثالی معاشرے کے قیام اور نفع بخش افراد کی تیاری کے لیے یہ تعلیمات ابدی اصولوں کا کردار ادا کرتی ہیں۔ عنوان مقالہ میں جس حدیث نبوی کی ایک طرف کا ذکر کیا گیا یہاں ہم سب سے پہلے وہ روایت مکمل ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کے پہلوؤں کو واضح کرنے کے لیے دیگر احادیث نبویہ اور سیرت طیبہ کی مثالوں کا تذکرہ کریں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> " إنَّ من الناس ناساً مفاتيح للخير مغاليق للشر، وإنَّ من الناس ناساً مفاتيح للشر مغاليق للخير، فطوبى لمن جعل الله مفاتيح الخير على يديه، وويل لمن جعل الله مفاتيح الشر على يديه"[1]
>
> بے شک لوگوں میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو خیر کے دروازے کھولنے والے اور شر کے دروازے بند کرنے والے ہیں، اور بے شک کچھ لوگ ایسے ہیں جو شر کے دروازے کھولنے والے اور خیر کے دروازے بند کرنے والے ہیں۔ خوش خبری ہے اس کے لیے جسے اللہ نے خیر کا ذریعہ بنایا، اور ہلاکت ہے اس کے لیے جسے اللہ نے شر کا ذریعہ بنایا۔

یاد رکھیے بھلائی اللہ کی رضا ہے اور برائی اس کی ناراضگی ہے، چنانچہ جب اللہ کسی بندے سے راضی ہوتا ہے تو اسے بھلائی کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ اُسے دیکھ کر بھلائی یاد آتی ہے، جہاں وہ ہوتا ہے وہاں بھلائی ہی بھلائی ہوتی ہے، اور جب وہ بولتا ہے تو خیر کی بات کرتا ہے۔ بظاہر اس پر اللہ کی طرف سے نیک علامات اور اچھی نشانیاں ہوتی ہیں۔ وہ خود اپنے ضمیر اور نفس کے ساتھ مطمئن ہوتا ہے، کیونکہ اس کے رب نے اسے ہر شخص کے لیے بھلائی کا سبب بنا دیا ہوتا ہے، تو ایسا شخص یقیناً خوش قسمت ہے۔ جہاں تک دوسرے شخص کا

تعلق ہے؛ تو ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس کے شر اور اس کی کارستانیوں سے، وہ شر میں مبتلا ہوتا ہے، شر پھیلاتا ہے، ہر وقت برائی اور شر کے بارے میں سوچتا ہے اور دل میں بھی ہر لمحے شرارت رکھتا ہے۔ یوں سمجھ لیجیے وہ سراپا شر ہوتا ہے لہذا ایسے شخص پر افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ پہلے شخص کی صحبت دوا ہے، اور دوسرے کی صحبت ایک جرثومے کی مانند ہے جو بیماری کا سبب بنتا ہے اور مزید بیماریاں پھیلاتا ہے۔

خیر کا معنی و مفہوم

سب سے پہلے خیر کا معنی و مفہوم سمجھنا ضروری ہے، خیر کا معنی بیان کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی رقمطراز ہیں:

> "الخير ما يرغب فيه الكل، كالعقل مثلاً والعدل والفضل، والشر ضده، والخير قد يكون خيراً لواحد شراً لآخر والشر كذلك، كالمال الذي ربما يكون خيراً لزيد وشراً لعمرو"۔ [2]
>
> خیر وہ چیز ہے جس کی ہر کوئی خواہش رکھتا ہے، جیسے عقل، عدل، اور فضل، اور شر اس کا الٹ ہے۔ کبھی کسی کے لیے ایک چیز خیر ہو سکتی ہے اور دوسرے شخص کے لیے وہی چیز شر ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ مال زید کے لئے خیر ہو اور عمرؤ کے لئے شر ہو۔

ابتدائی طور پر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ انسانوں کی دو قسمیں ہیں جن کا ذکر اس روایت میں ہوا ہے ایک خیر کو عام کرنے والا گروہ اور دوسرا شر پھیلانے والا۔ اور دوسری بات یہ بیان کی گئی کہ ان میں سے کامیاب گروہ وہ ہے جو خیر کا حامی اور اسے عام کرنے والا ہے۔ خیر اور بھلائی کا تعلق نفس انسانی کے ساتھ ہے کیوں کہ انسان جو سوچتا ہے اسی پر عمل پیرا ہوتا ہے پھر اسی نظریے کو عام کرتا ہے اگر ایک انسان خیر کے بارے سوچتا ہے تو اسی کو عام کرے گا اور اگر ہر وقت شر سے متعلق سوچتا ہے تو وہ شر کو عام کرنے کے لئے کوشاں رہے گا۔ یوں سمجھ لیجیے کہ سوچ کا تعلق عقیدے سے ہے۔ چنانچہ جس شخص کا عقیدہ درست ہوتا ہے تو اس کی زندگی میں نیک اعمال کا وفور ہوتا ہے کیوں کہ درست عقیدے کی شعائیں اس کی زندگی کو روشن کر دیتی ہیں۔ صاحب ایمان شخص اللہ تعالی سے ڈرتا ہے اور اس کے احکام کی بجا آوری لاتا ہے اس کے شب وروز اطاعت و فرمانبرداری میں بسر ہوتے ہیں۔ اسی اطاعت کے جذبے کے تحت وہ اپنے نفس کی مخالفت کرتا ہے اور اپنی خواہشات کو اللہ کی رضا کے مقابلے میں ترک کرتا ہے۔ وہ دنیا کی فانی زندگی کے بجائے آخرت کی دائمی زندگی کو ترجیح دیتا ہے۔ لوگوں کے ساتھ اپنے معاملات میں، وہ خیر کا دروازہ کھولنے والا، نیکی کا رہنما اور ہدایت کا سفیر بن جاتا ہے۔ جب کہ شر کے دروازے بند کرنے اور مصیبت کو دور کرنے کے لئے شب وروز کوشاں رہتا، اور اللہ کے غضب سے بچانے والا ہوتا ہے۔

خیر کے مقابلے میں شر کے بارے علم

خیر کے علم کے ساتھ ساتھ شر اور شر کے رستوں کا جاننا بھی از بس ضروری امر ہے کیوں کہ اگر انسان شر سے ناواقف ہو تو عموماً شر کا شکار ہو جاتا ہے اور اسے اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ بھلائی کے کام کر رہا ہے یا شر پھیلا رہا ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے نور نبوت سے فیض یاب ہونے والے اصحاب کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے اس پہلو سے صرف نظر نہیں کیا بلکہ شر کو پہچاننے کی کوشش کی جس سے ان کی پاک طینت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے وہ گروہ پاکیزگی کا کس قدر طلب گار تھا۔ چنانچہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"تعلم أصحابي الخيرَ وتعلمتُ الشرّ" [3]

کہ میرے دوستوں نے خیر کا علم حاصل کیا اور میں نے شر کو پہچانا۔

اسلام نے خیر و بھلائی کے کاموں اور نیک عمل کو کسی خاص شعبے، جیسے کہ مال، علم یا جسمانی طاقت تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے ایک عمومی انسانی عمل بنایا ہے جس کے ذریعے ہر شخص اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے، چاہے وہ غریب ہو یا امیر، ان پڑھ ہو یا تعلیم یافتہ، کمزور ہو یا طاقتور۔ سنن ترمذی میں سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کچھ لوگوں کے پاس آکر ٹھہرے اور فرمایا:

"أَلا أُخبِركم بخيركم من شرِّكم ؟ قال: فسَكنوا، فقال ذلك ثلاث مرات، فقال رجلٌ: يا رسول الله ! أخبِرنا بخيْرنا من شرِّنا، قال: خيْركم من يُرجى خيره ويُؤمَن شرُّه، وشرُّكم من لا يُرجى خيْره، ولا يُؤمن شرُّه" [4]

کہ کیا میں تمہیں تم میں سے سب سے برے شخص کے بارے نہ بتاؤں؟ راوی کہتے ہیں، لوگ خاموش ہو گئے۔ تو آپ ﷺ نے اپنی بات تین مرتبہ دوہرائی۔ تو ایک شخص نے عرض کیا، یارسول! آپ ہمیں ہم میں سے بہتر اور شریر دونوں کے بارے میں بتائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جس سے اس کی خیر کی توقع رکھی جائے اور اس کے شر سے محفوظ رہا جائے۔ اور تم میں سے شریر وہ ہے جس سے خیر کی توقع نہ رکھی جائے اور اس کے شر سے محفوظ نہ رہا جا سکتا ہو۔

یہاں نبوی تعلیم بالکل واضح ہے کہ بہتر انسان وہ جس سے لوگ خیر اور بھلائی کی امید قائم کریں۔ اس کے مقابلے میں شریر انسان وہ ہے جس سے لوگ خیر کی امید نہ رکھیں نہ اس کے شر سے محفوظ رہیں۔ آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس میں شر نے ہر طرف پنجے گاڑے ہوئے ہیں لوگ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے۔ بالخصوص وہ نادان جو اختیار یا اقتدار رکھتے ہیں وہ اپنے ماتحتوں اور عوام کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ اکثریت ان لوگوں کی ہے جن سے کسی خیر کی توقع نہیں رکھی جاتی، اور نہ لوگ ان کی شرارتوں سے بچ پاتے ہیں۔ وہ شریر لوگ مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں جیسے ہی موقع ہاتھ آتا ہے گزند پہنچا دیتے ہیں۔

خیر و شر سے متعلق سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قال الله عزَّ وجلَّ : أنا اللهُ قدَّرتُ الخَيْر والشَّرّ فطوبى لمن جَعلتُ مفاتح الخير على يديْه، و وَيْلٌ لمن جَعلتُ مفاتح الشر على يديْه." [5]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ ہوں، میں نے خیر اور شر کو مقدر کیا۔ لہذا خوشخبری ہو اس شخص کے لئے جس کے ہاتھ میں میں نے خیر رکھ دی اور ہلاکت ہو اس شخص کے لئے جس کے ہاتھ میں میں نے شر رکھ دیا۔

بلاشبہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ہے کہ اسی نے خیر و شر لوگوں کے ہاتھوں میں رکھ دیا لیکن اس کا استعمال تو لوگوں کے اختیار میں ہے وہ چاہیں تو اللہ ان کے لئے خیر کا رستہ آسان فرما دے ان کی بھلائی کے رستوں کی طرف رہنمائی کر دے۔ لیکن اگر وہ خود شر سے دامن نہ چھڑانا چاہتے ہوں تو قدرت کو کیا مجبوری کہ زبردستی انہیں خیر کے رستے پر چلائے۔ لیکن انسان کو اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ اللہ اس کے لیے خیر کو عام کر دے۔ امام طبرانی کے ہاں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ:

" إن هذا الخيرَ خزائنُ، ولتلك الخزائن مفاتح، فطوبى لعبدٍ جعله الله مفتاحاً للخير مغلاقاً للشَّرِّ، وويل لعبدٍ جعله الله مغلاقاً للخير مفتاحاً للشرِّ." [6]

کہ بھلائی کے خزانے ہیں اور ان خزانوں کی چابیاں ہیں، لہذا خوشخبری ہو اس شخص کو جس کے ہاتھ میں اللہ تعالی خیر کی چابیاں رکھ دے۔ اور شر کا تالا بنادے اور ہلاکت ہو اس شخص کے لئے جس کو اللہ نے بھلائی کے لئے تالا بنادیا اور شر کی چابی بنادیا۔

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے پاس خیر اور شر کے خزانے ہیں، اور ان کی چابیاں لوگوں کے ہاتھ میں دے دی ہیں۔ لہذا وہ شخص بہت خوش قسمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خیر کا دروازہ کھولنے والا اور شر کا دروازہ بند کرنے والا بنایا ہے، اور بربادی و ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جسے اللہ نے شر کا دروازہ کھولنے والا اور خیر کا دروازہ بند کرنے والا بنایا۔ اس حدیث کی تشریح میں امام مناوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

" إن من الناس ناساً مفاتيح للخير مغاليق للشر، و إن من الناس ناساً مفاتيح للشر مغاليق للخير، فطوبى .. أي حُسنى أو خيراً .. و هو من الطيب أي عيشاً طيب .. لمن جعل الله مفاتيح الخير على يديه، و ويل شدةً حسرةً و دمار و هلاك .. لمن جعل الله مفاتيح الشر على يديه." [7]

لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو خیر کے دروازے کھولنے والے اور شر کے دروازے بند کرنے والے ہیں۔ خوش خبری (بھلائی اور اچھائی یعنی خوبصورت و پاکیزہ زندگی ہے) اس کے لیے جس کے ذریعے اللہ نے خیر کا دروازہ کھولا اور شر کو بند کیا۔ اور ہلاکت (یعنی سختی، حسرت اور تباہی و بربادی) ہے اس کے لیے جس کے ذریعے اللہ نے شر کا دروازہ کھولا اور خیر کو بند کیا۔

خیر اور شر کے دروازے جاننا علم کے عظیم ترین اور سب سے مفید ابواب میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر خیر اور شر کے لیے ایک دروازہ اور چابی مقرر کی ہے، اور ہر عمل کا نتیجہ اسی دروازے کے ذریعے آتا ہے اگر عمل اچھا ہو گا تو نتیجہ بھی اچھا آئے گا اور اگر عمل برا ہو گا تو نتیجہ بھی برا آئے گا۔

لوگوں کی ضروریات پوری کرنا

جس وقت انسان اس بات کی پاسداری کرتا ہے کہ اللہ تعالی نے اس کے ہاتھوں میں لوگوں کے لیے بھلائی کی کنجیاں رکھ دی ہیں اور اس نے اس کی تخلیق کے مقاصد میں انسانیت کی خدمت اور فلاح و بہبود بھی ایک مقصد مقرر کیا ہے تو وہ یقینا انسانوں کے کام آتا ہے ان کی مشکلات دور کرتا ہے اور ان کے مسائل کا حل تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن لله عبادًا خلقهم لحوائج الناس، يفزع الناس إليهم في حوائجهم، أولئك هم الآمنون من عذاب الله." [8]

بے شک اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ نے لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ لوگ اپنی ضروریات کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں، وہی لوگ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہیں۔

یہ حدیث پاک ہمارے موقف اور موضوع کی تائید کرتی ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالی نے محض انسانیت کی خدمت کے لئے چن لیا ہے اور انہیں اسی کام کے لئے خاص کر دیا ہے وہ یقینا لوگوں کی حاجات پوری کرتے ہیں۔ اور یہی وہ گروہ ہے جس کا تذکرہ مذکور الصدر حدیث نبوی میں ہوا ہے جن کو خوشخبری سنائی گئی ہے۔

کسی پر سختی کرنے کی قباحت

آج کے دور میں اداروں میں زیر دستوں اور ماتحتوں سے کام لینے کے ساتھ ساتھ انہیں طرح طرح سے تنگ کرنے کا رواج عام ہے ۔یقینا ایسا عمل دوررس منفی نتائج کا باعث بنتا ہے جو اداروں کے اندر بدامنی اور تنزلی کو جنم دیتا ہے۔ کسی شخص کے لئے حالات تنگ کرنا اور اسے تکلیف پہنچانا اللہ تعالی کے نزدیک اتنا قبیح عمل ہے کہ اللہ تعالی اس تنگ کرنے والے شخص کو بھی بدلے میں تکلیف میں مبتلا کرتا ہے۔ حضرت ابو صرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللَّهُ بِهِ، وَمَنْ شَاقَّ شَقَّ اللَّهُ عَلَيْهِ" [9]

جو کوئی ضرر پہنچاتا ہے اللہ اسے ضرر پہنچاتا ہے اور جو کوئی کسی کو مشقت میں ڈالتا ہے اللہ اسے مشقت میں مبتلا کرتا ہے۔

اس حدیث پاک سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ کا قانون سب کے لئے برابر ہے، کیوں کہ شریعت کے دیگر دلائل بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ یہ جزاء اور عمل کے بدلے کا مسلمہ قاعدہ ہے، اور شریعت کے دلائل اس اصول کی پختگی و پائیداری پر شاہد ہیں۔ اور یہ معنی مفہوم انسانی فطرت میں موجود ہے، چاہے وہ مومن ہو یا کافر، وہ اپنی زندگی میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس لیے شاید ہی کوئی قوم ایسی ہو جس کے ہاں اقوال حکمت اور ضرب الامثال میں اس مفہوم کی تصدیق نہ ہوتی ہو۔

امام ابن قیم الجوزیہ فرماتے ہیں:

"قالوا وقد دل الكتاب والسنة في أكثر من مائة موضع: على أن الجزاء من جنس العمل في الخير والشر". [10]

علماء کا کہنا یہ ہے کہ کتاب و سنت میں سو سے زیادہ مرتبہ اس بات کا ذکر آیا ہے کہ خیر اور شر ہر دو میں جزا اسی عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔

اسی لیے جزا عمل کے مطابق ہوتی ہے اور اسی عمل کی جنس میں سے ہوتی ہے، چاہے نیکی ہو یا بدی۔ جیسا کہ مومن کی پردہ داری سے متعلق فرمان نبوی ہے:

فمن ستر مسلما ستره الله، ومن يسر على معسر يسر الله عليه في الدنيا والآخرة، ومن نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة۔ [11]

جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا، اور جو شخص کسی تنگدست پر آسانی کرے گا، اللہ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی فرمائے گا، اور جو شخص کسی مومن کی دنیا کی مشکلات میں سے کوئی مشکل دور کرے گا، اللہ قیامت کے دن اس کی مشکلات میں سے ایک مشکل دور فرمائے گا۔

یہ حدیث پاک ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ کوئی بندہ جیسا عمل کرے گا اسی کا بدلہ پائے گا۔ کسی نے کسی کا راز رکھا اس کی پردہ پوشی کی تو قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور سر عام اس کے راز افشا نہیں کرے گے۔ اسی طرح بعض اوقات زمانے کا ستایا ہوا

کوئی شخص حالات سے بہت تنگ ہو چکا ہو تا ہے جیسے کوئی مقروض ہو جاتا ہے۔ تو کوئی شخص اس کی مدد کرتا ہے اور اس کی مشکلات کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالی کل اس کی مشکلات محشر کو آسان فرمائے گا اور اس سے سختیوں کو دور کر دے گا۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ وہ ان تعلیمات نبویہ کے مطابق ہمیشہ لوگوں کے راز رکھے اور ان کی مشکلیں آسان کرنے کے لئے کوشاں رہے تاکہ اس کو ان مثبت اعمال کا بدلہ ملے اور معاشرے میں بہتری بھی آئے۔

ظالم کی سزا کا مؤخر ہونا

یہاں ایک اشکال وارد ہو سکتا ہے کہ ہم کبھی کبھی کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے، انہیں تکلیف دیتا ہے اور ان کے لیے مشکلات پیدا کرتا ہے؛ لیکن بظاہر اس کی زندگی عیش و عشرت میں گزرتی ہے، اس میں کوئی پریشانی یا تکلیف نظر نہیں آتی۔ تو یاد رہے ایسی صورتوں سے اس حدیث کے معنی میں کوئی خلل نہیں آتا، اس کی وضاحت کچھ پہلوؤں سے ہے انہیں ذہن نشین کر لینا چاہیے:

1- پہلی بات یہ ہے کہ اکثر اوقات ایسے ظالم کو نفسیاتی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے جو اسے زندگی میں تنگی، کرب اور دشواری میں مبتلا رکھتی ہیں، حتی کہ وہ اپنی زندگی اور دنیاوی نعمتوں سے تنگ آجاتا ہے۔ بظاہر اس کے گرد بیویاں اور بچے ہوں جنہیں دیکھ کر خوشی محسوس ہو، لیکن وہ ان کے ساتھ بھی نالاں اور تنگ ہوتا ہے، نہ ان کے درمیان سکون ہوتا ہے اور نہ ہی رحمت، وہ مسکراتے ہوئے لبوں کا حامل ہے، مگر دل میں درد اور تکلیف لیے ہوئے ہے۔ اس طرح وہ اپنے کیے کا خمیازہ بھگت رہا ہوتا ہے لیکن ہم اسے سمجھ نہیں پاتے یہ ہماری کوتاہ نظری ہے ورنہ قائدہ قانون مکمل نافذ ہو چکا ہوتا ہے۔

2- دوسرا اصول یہ اللہ تعالی کے ہاں سزا ہمیشہ فوری نہیں ہوتی بلکہ تاخیر کا قاعدہ لاگو ہوتا ہے۔ بعض اوقات ظالم کی سزا کو موخر کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کے امتحان اور آزمائش کے طور پر وہ مسلط رہے اور اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرتا رہے۔ تاکہ بعد میں وہ اپنے کیے کی خوب سزا پائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ﴾[12]

اور اگر خدا چاہتا تو (اور طرح) ان سے انتقام لے لیتا۔ لیکن اس نے چاہا کہ تمہاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑوا کر) کرے۔

اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ جب ظالم سے عذاب کو مؤخر کیا جاتا ہے، تو یہ کوئی بھلائی کی علامت نہیں ہوتی، بلکہ ممکن ہے کہ یہ تاخیر اس ظالم کے لیے ایک بڑی برائی ہو۔ اس کی سزا کو موخر کیا جاتا ہے تاکہ وہ مزید گمراہی میں بڑھتا جائے اور اس کے گناہوں کا حصار اس پر تنگ ہو تا جائے۔ پھر جب عذاب آتا ہے، تو اچانک آتا ہے اور وہ عذاب اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اسے توبہ کا کوئی موقع بھی نہیں ملتا اور وہ اس حال میں مر جاتا ہے کہ اس کے ذمے لوگوں کے ساتھ کی گئی زیادتیاں اور مظالم ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ سے کل روز قیامت اس سے سخت گیر باز پرس ہو گی۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"إِذَا رَأَيْتَ اللَّهَ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلَى مَعَاصِيهِ مَا يُحِبُّ، فَإِنَّمَا هُوَ اسْتِدْرَاجٌ"۔[13]

جب تم دیکھو کہ اللہ کسی بندے کو اس کی نافرمانیوں کے باوجود دنیا کی وہ چیزیں دے رہا ہے جو وہ پسند کرتا ہے، تو یہ دراصل اسے ڈھیل دینا ہے۔

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ-حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾ [14]

اس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

["إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدِهِ الخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ العُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ أَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتَّى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ القِيَامَةِ"[15]

جب اللہ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی سزا (گناہوں کی) دنیا میں ہی جلدی دے دیتا ہے، اور جب اللہ اپنے بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہ کی سزا کو روک لیتا ہے، یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے اس کے گناہ کے ساتھ پیش کیا جائے۔

یہ حدیث ہمارے اس موقف کو سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ اللہ ظالم کی سزا کو مؤخر کرتا ہے لیکن سزا ختم نہیں کرتا۔ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَنْتَ عَبْدٌ أَرَادَ اللهُ بِكَ خَيْرًا. إِذَا أَرَادَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعَبْدٍ خَيْرًا عَجَّلَ لَهُ عُقُوبَةَ ذَنْبِهِ، وَإِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ شَرًّا أَمْسَكَ عَلَيْهِ بِذَنْبِهِ حَتَّى يُوَافِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ عَيْرٌ" [16]

تم وہ بندے ہو جن کے بارے میں اللہ نے بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ جب اللہ عز و جل کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہ کی سزا کو جلدی دے دیتا ہے، اور جب اللہ کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہ کو روکے رکھتا ہے، یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن اس کے گناہ کے ساتھ اس طرح پیش ہو گا جیسے کوئی بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے امت محمدی کے کسی فرد پر سختی کرنے کو سخت ناپسند فرمایا اور ایسے شخص کے خلاف دعا فرمائی جو آپ کی امت پر سختی کرتا ہے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اللهم من ولي من أمر أمتي شيئا فشق عليهم فاشقق عليه، ومن ولي أمر أمتي فرفق بهم فارفق به." [17]

یا اللہ! جس نے میری امت کے معاملات میں کوئی ذمہ داری لی اور ان پر سختی کی، تو تُو اس پر سختی فرما، اور جس نے میری امت کے معاملات میں نرمی کی، تو تُو اس کے ساتھ نرمی فرما۔

یہ بات یقیناً درست ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ جو شخص امت کے معاملات میں کوئی ذمہ داری لے اور ان پر سختی کرے، اللہ اس پر سختی فرمائے گا۔ نبی کریم نے انسانی تعلقات کو تمام سطحوں پر اور ہر پہلو سے بڑی اہمیت دی ہے۔ بے شک، لفظ "احسان" شریعت کے تمام مقاصد کا نچوڑ ہے اور اس کے مقاصد میں سے سب سے اہم ہے۔ احسان وہ نازک رشتہ ہے جو انسانی تعلقات کی تمام سطحوں پر مختلف سماجی طبقات کو ایک ساتھ جوڑتا ہے۔

اسلام نے انسانی تعلقات میں احسان کی اہمیت پر زور دیا ہے اور ان کی بنیادوں کو مضبوط اصولوں پر قائم کیا ہے، جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ سنت نبویؐ میں انسانی تعلقات کو خصوصی توجہ دی گئی ہے، اور ان کو بڑے پیمانے پر فروغ دیا گیا ہے۔ معاشرے کا

استحکام اور تمام افراد کے درمیان امن، چاہے وہ کسی بھی پس منظر سے تعلق رکھتے ہوں، مختلف شعبوں میں پیداواری اور تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ کا باعث بنتا ہے، چاہے وہ عملی ہو یا فکری۔ اور شر کا پہلا ذریعہ شیطان ہے، پھر اس کے بعد اس کے مددگار جن اور انسانوں میں سے آتے ہیں۔ کوئی شخص شر کا ذریعہ نہیں بنتا جب تک کہ وہ خود اسے طلب نہ کرے اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إذا كان أول ليلة من شهر رمضان صُفِّدَت الشياطين ومردة الجن، وغُلقت أبواب النار فلم يفتح منها باب، وفتحت أبواب الجنة فلم يغلق منها باب، وينادي منادٍ: يا باغيَ الخير أقبل! ويا باغي الشَّرِّ أَقْصِرْ"، أي: يا طالب الشر أقصر، كُفَّ، حَسْبُكَ! دلالة على أنه يسعى بشدة لفتح الشر هنا وهناك"۔ [18]

جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے، تو شیاطین اور سرکش جن قید کر دیے جاتے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی دروازہ نہیں کھلتا، اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں ہوتا، اور ایک منادی اعلان کرتا ہے: اے بھلائی کے طالب! آگے بڑھ، اور اے برائی کے طالب! رک جا'۔ یعنی: اے برائی کے طلب گار! رک جا، بس کر، تیرے لیے یہی کافی ہے! اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شدت سے ہر طرف شر کو پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔

ابن قیم فرماتے ہیں :

"و قد جعل الله سبحانه لكل مطلوب مفتاحاً يُفْتَحُ به" تطلب الشيء تجد له مفتاحا، قد جعل الله لكل مطلوب مفتاحا يفتح به، فلا يكون مفتاحاً للشر إلا من يطلب الشر ويسعى إليه حثيثا، نسأل الله السلامة.! [19]

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو شر کے دروازے کھولنے والے اور بھلائی کے دروازے بند کرنے والے ہیں۔ سبحان اللہ! انہوں نے صرف شر کو کھولنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس پر اضافہ یہ بھی کیا کہ بھلائی کو بند کر دیتے ہیں! جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُرِيبٍ﴾[20] (بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا)۔

جس کے ہاتھوں میں شر کی چابی ہوتی ہے وہ بھلائی کو روکتا ہے، اس کی روح سیاہ ہوتی ہے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس کے شر سے! ایسا شخص صرف رشوت لینے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ ضرورت مندوں سے خود طلب کرتا ہے تاکہ ان کے ضمیر کو خراب کرے! بلکہ وہ اپنے ہم نشینوں کو بھی لوگوں کو بلیک میل کرنے یا ان کی رشوتیں قبول کرنے پر اکساتا ہے۔ اس طرح وہ شر کو عام کرتا رہتا ہے۔

اسلام نے شر سرانجام دینے والے اور شر کے دروازے کھولنے والے کے درمیان فرق کیا ہے۔ پہلا وہ ہے جس کی بیماری اس کی اپنی ذات تک محدود ہوتی ہے اور وہ دوسروں تک نہیں پہنچتی۔ وہ گناہ کرتا ہے اور اس کا گناہ اسی کی ذات تک محدود رہتا ہے؛ جبکہ دوسرا شر کا دروازہ کھولنے والا ہوتا ہے، اس کی بیماری وبائی اور متعدی ہوتی ہے جو دوسروں تک پہنچتی ہے۔ شر کا دروازہ کھولنے والے کا اثر دوسروں تک پھیلتا ہے؛ اس لیے وہ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے گناہوں کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے جن تک اس نے شر پہنچایا یا جو اس کی وجہ سے شر میں مبتلا ہوئے۔

بھلائی کے دروازے کھولنے اور شر کے دروازے بند کرنے والوں میں سب سے بلند مقام انبیاء کرام علیہم السلام کا تھا اس کے باوجود لوگوں کی جانب سے انہیں بدترین سلوک کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی حال ان کے راستے پر چلنے والے بہت سے پیروکاروں، داعیوں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دینے والوں کا بھی رہا۔ جب انہوں نے اپنی قوموں کو نصیحت کی تو بدلے میں انہیں بدترین سلوک کا سامنا کرنا پڑا، جیسے کہ انہیں جلاوطن کیا گیا، قید کیا گیا، تشدد کا نشانہ بنایا گیا یا قتل کیا گیا۔

زبان کی لغزش کے خطرناک نتائج

زبان کی لغزشوں سے بچو! کیونکہ تم زیادہ باتیں کرنے سے بغیر ارادے کے شر کو کھول سکتے ہو۔ امام بغوی نے صحیح سند کے ساتھ علقمہ بن وقاص سے روایت کی ہے کہ بلال بن حارث نے انہیں کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"إن الرجل ليتكلم بالكلمة من الخير ما يعلم مَبْلَغها يكتب الله له بها رضوانه إلى يوم يلقاه، وإن الرجل ليتيكلم بالكلمة من الشر لا يعلم مبلغها من الشر يكتب الله بها عليه سخطه إلى يوم يلقاه" [21]

یقیناً آدمی ایسی نیکی کی بات کہتا ہے جس کی پہنچ کا اندازہ وہ نہیں جانتا، اللہ اس کے بدلے اسے اپنی رضا لکھ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے ملاقات کرے، اور یقیناً آدمی ایسی برائی کی بات کہتا ہے جس کی شرارت کا اندازہ وہ نہیں جانتا، اللہ اس کے بدلے اس پر اپنا غضب لکھ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے ملاقات کرے۔

تو حضرت علقمہ کہا کرتے تھے: "کتنی ہی احادیث ایسی ہیں جن کے درمیان اور ان پر عمل کے درمیان سیدنا بلال کی اس روایت نے رکاوٹ کھڑی کر دی۔ سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ہر مسلمان پر صدقہ کرنا لازم ہے۔ صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! اگر کوئی (مال) نہ پائے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے، اس سے خود کو فائدہ دے اور صدقہ کرے۔ صحابہ نے پھر پوچھا: اگر وہ (کام بھی) نہ کر سکے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کسی محتاج اور پریشان حال کی مدد کرے۔ صحابہ نے پھر پوچھا: اگر وہ (یہ بھی) نہ کر سکے تو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"فليعمل بالمعروف و ليمسك عن الشر فإنها له صدقة" [22]

اسے چاہیے کہ بھلائی پر عمل کرے اور اور شر سے باز رہے۔

لہذا انسان کو چاہیے کہ زبان کی حفاظت کرے اور زبان سے بھی شر نہ پھیلائے۔

اللہ کے ہاں پسندیدہ اعمال

خیر اور بھلائی کے کاموں میں سے کچھ اعمال ہیں جو اللہ کو بہت پسند ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی یا رسول اللہ لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک کون سا شخص سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" أحب الناس إلى الله عز وجل أنفعهم للناس ، و أحب الأعمال إلى الله سرور تدخله على مسلم أو تكشف عنه كربة أو تقضي عنه ديناً أو تطرد عنه جوعاً ، و لأن أمشي مع أخ لي

في حاجة أحب إليّ من أن أعتكف في هذا المسجد (مسجد المدينة) شهراً ومن كف غضبه ستر الله عورته ، و من كظم غضبه ولو شاء أن يمضيه أمضاه ملأ الله قلبه رخاء يوم القيامة ، ومن مشى مع أخيه في حاجة حتى تتهيأ له ثبت الله قدمه يوم تزول الأقدام" [23]

اللہ عز و جل کے نزدیک سب سے محبوب انسان وہ ہے جو لوگوں کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش ہو، اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ خوشی ہے جو تم کسی مسلمان کے دل میں ڈالو، یا اس کی کوئی پریشانی دور کرو، یا اس کا قرض ادا کرو، یا اس کی بھوک مٹا دو۔ اور کسی بھائی کی حاجت پوری کرنے کے لیے چلنا میرے لیے اس مسجد (مسجدِ مدینہ) میں ایک مہینے کے اعتکاف سے زیادہ محبوب ہے۔ جو شخص اپنے غصے کو روکے گا، اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا، اور جو اپنے غصے کو پی جائے گا حالانکہ وہ اسے نافذ کرنے کی طاقت رکھتا تھا، اللہ قیامت کے دن اس کے دل کو راحت سے بھر دے گا۔ اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے کے لیے چلے گا یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے، اللہ قیامت کے دن جب قدم ڈگمگائیں گے، اس کے قدم کو ثابت رکھے گا۔"

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

" وإن من المعروف أن تلقى أخاك بوجه طلق، وأن تفرغ من دلوك في إناء أخيك" [24]

اور نیکی کے کاموں میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملو، اور یہ کہ اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں بھی انڈیل دو۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے حصے میں خیر اور آسانی آئی ہے تو اسے آگے بانٹو خود ہی اس پر قابض ہو کر بیٹھ نہ جاؤ اور نہ ہی لوگوں کے رستے مسدود کرو۔ جیسے کسی کی مدد کرنا کار خیر ہے اسی طرح لوگوں کے رستے سے مشکلات کے کانٹے ہٹانا بھی باعث اجر ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"الإيمان بضع وسبعون أو بضع وستون شعبة ، فأفضلها: قول: لا إله إلا الله، وأدناها: إماطة الأذى عن الطريق "[25].

ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، یا ساٹھ سے زائد، سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہنا ہے، اور سب سے کم راستے سے ایذا دہ چیز کو ہٹانا ہے۔

راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا باعث ثواب ہے، اگر انسان کی زندگی سے مشکلات کو دور کیا جائے اور اس کے رستے سے رکاوٹیں دور کی جائیں تو یقینا یہ بھی اسی طرح باعث ثواب ہو گا بلکہ ساتھ ساتھ معاشرتی امن کے قیام میں بے حد معاون ثابت ہو گا۔

سفارش کرنے کی اہمیت

کسی کی مشکل میں جائز حد تک سفارش کرنا بھی خیر اور بھلائی کے اعمال میں سے ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ جب کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا یا کوئی حاجت لے کر آتا تو آپ فرماتے:

" اشفعوا تؤجروا، ويقضي الله على لسان نبيه ﷺ ما شاء"[26]

سفارش کیا کرو اس پر تم لوگوں کو اجر ملے گا۔ اور اللہ اپنے نبی کی زبان پر وہی فیصلہ فرمائے گا جو وہ چاہتا ہے۔

تکلیف نہ پہنچانا

ایک طرف لوگوں کی تکالیف دور کرنا باعث اجر وثواب ہے تو دوسری جانب لوگوں کو تکلیف نہ پہنچانا بھی خیر کے کاموں میں سے ہے۔ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی:

" يا رسول الله أي الأعمال أفضل؟ قال:" الإيمان بالله والجهاد في سبيله" قلت: أي الرقاب أفضل؟ قال: "أنفسها عند أهلها وأكثرها ثمناً" قلت: فإن لم أفعل؟ قال:" تعين صانعاً أو تصنع لأخرق" قلت: يا رسول الله أرأيت إن ضعفت عن بعض العمل؟ قال: " تكف شرك عن الناس، فإنها صدقة منك على نفسك"[27]

یا رسول اللہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو فرمایا: اللہ کی ذات پر ایمان لانا اور اس کے رستے میں جہاد کرنا۔ تو میں نے عرض کی کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے تو آپ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ نفیس ہو اور قیمت بھی زیادہ ہو۔ میں نے عرض کی اگر میں ایسا نہ کر سکوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کام کرنے والے کی مدد کرو، یا کمزور کے لیے کام کرو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر میں ان کاموں میں کمزور پڑ جاؤں تو کیا کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے اپنے شر کو روک لو یہ بھی تمہاری طرف سے صدقہ ہو جائے گا۔

لہٰذا اگر انسان اچھائی نہ کر سکے تو کم از کم لوگوں سے اپنی شرارتوں کو روک لینا چاہیے۔

نیکی و بھلائی نہ کرنے کی قباحت

" ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا ينظر إليهم " فذكر منهم .ورجل منع فضل ماء فيقول الله: اليوم أمنعك فضلي كما منعت فضل ما لم تعمل يداك" [28]

تین لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے اضافی پانی دینے سے منع کیا۔ اللہ فرمائے گا: آج میں تمہیں اپنی نعمت سے محروم کرتا ہوں جس طرح تم نے اس پانی کو روکا تھا جو تمہارے ہاتھوں کی کمائی نہیں تھی۔

نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت سے قبل بھی معاشرے کے کمزور لوگوں کی ہمیشہ مدد فرمائی اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ نے اس قدر لوگوں کی خدمت کی کہ جسم کمزور ہو گیا۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ سے رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا:

قالت: " نعم .. بعد ما حطمه الناس(أي بكثرة حوائجهم)" [29]

ہاں، جب لوگوں کی کثرتِ ضروریات نے آپ کو کمزور کر دیا تھا۔

شریعتِ مطہرہ نے لوگوں کو نفع پہنچانے، ان کی ضروریات پوری کرنے، ان کی مشکلات کو دور کرنے، اور ان کے لیے اچھی سفارش کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ باہمی محبت کو برقرار رکھا جائے، الفت باقی رہے، اور بھائی چارے کے رشتے مزید مضبوط ہوں۔ لوگوں کی حاجات کو پورا کرنا در حقیقت انعام خداوندی ہے۔ چنانچہ فیض بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں فضیل بن عیاض کے پاس تھا کہ ایک آدمی آیا اور اس نے ان سے اپنی ضرورت کے لیے سوال کیا اور بار بار درخواست کی۔ میں نے اس آدمی سے کہا: شیخ کو تکلیف نہ دو، اللہ تم پر رحم کرے۔ فضیل بن عیاض نے مجھ سے کہا:

"اسکت یا فیض ألم تعلم أن حوائج الناس إلیکم نعمة من الله علیکم"[30]

خاموش رہو اے فیض! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ لوگوں کی ضروریات کا تمہارے پاس آنا اللہ کی طرف سے تم پر ایک نعمت ہے؟'

اسی طرح امام طبرانی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" إِنَّ للہ أقوامًا اختصَّہُم بالنعم لمَنَافع العباد، ویقِرُّهَا فِیہِم ما بذلوها، فَإذا منعَوها نزعهَا عنہُم وحوَّلها إِلی غیرهم" [31]

بے شک اللہ کے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اس نے بندوں کے فائدے کے لیے اپنی نعمتوں کے ساتھ خاص کیا ہے، اور جب تک وہ ان نعمتوں کو خرچ کرتے رہتے ہیں، اللہ ان کے پاس وہ نعمتیں برقرار رکھتا ہے۔ لیکن جب وہ ان نعمتوں کو روک لیتے ہیں، تو اللہ ان سے وہ نعمتیں چھین لیتا ہے اور دوسروں کو عطا کر دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے ساتھ ساتھ آپ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنھم نے بھی لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھے بلکہ ان کے گھروں تک جا کر ان سے ان کے مسائل دریافت کیے اور انہیں فوری بنیادوں پر حل بھی کیا۔ اپنے گورنرز کو ہمیشہ لوگوں کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھنے اور ان کی حاجات پوری کرنے کے لئے احکامات جاری کیے۔ چنانچہ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو ایک تحریر میں لکھا:

"أنه لم یزل للناس وجوه یرفعون حوائج الناس ، فأكرم وجوه الناس ، فبحسب المسلم الضعيف من العدل أن ينصف في العدل والقسمة ، أما تعلم، مشيك في قضاء حوائج المسلمين خير لك من حجة بعد حجة، فرجعوا إلى ثابت فترك اعتكافه وخرج معهم."۔[32]

لوگوں کے معاملات میں ہمیشہ ایسے افراد موجود رہے ہیں جنہوں نے دوسروں کی ضروریات کو پورا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ لہٰذا لوگوں کے قابلِ احترام افراد کی عزت کرو، اور مسلمان کے لیے یہ کافی ہے کہ اسے عدل و انصاف اور تقسیم میں اس کا حق دیا جائے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے چلنا تمہارے لیے حج کے بعد حج سے بہتر ہے؟" اس بات کو سن کر وہ ثابت کے پاس گئے، اس نے اپنا اعتکاف چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔

اسی بنیاد پر لوگوں کی تکالیف دور کرنے والے کو بہترین اجر و انعام سے نوازا جائے گا، چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لقد رأيت رجلاً يتقلب في الجنة في شجرة قطعها من ظهر الطريق كانت تؤذي الناس" [33]

میں نے ایک شخص کو جنت میں گھومتے پھرتے دیکھا جس نے رستے سے ایک ایسے درخت کو کاٹا جو لوگوں کو تکلیف پہنچاتا تھا۔

لوگوں کے کام جان بوجھ کر التوا میں ڈالنا

امام ترمذی نے عمرو بن مرہ الجہنی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"ما من إمام يغلق بابه دون ذوي الحاجة والخَلَّة والمسكنة، إلا أغلق الله أبواب السماء دون خَلَّته وحاجته ومسكنته ، فجعل معاوية رجلًا على حوائج الناس"۔[34]

کوئی بھی حکمران جو ضرورت مندوں، حاجتمندوں اور مسکینوں کے لیے اپنا دروازہ بند کر دے، تو اللہ اس کی اپنی حاجت، ضرورت اور فقر کے لیے آسمان کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ اس حدیث کو سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے کے لیے ایک شخص مقرر کر دیا۔

امام مالک نے روایت کیا ہے کہ ضحاک بن خلیفہ نے ایک نہر نکالی اور چاہا کہ وہ محمد بن مسلمہ کی زمین سے گزرے، مگر محمد نے انکار کر دیا۔ ضحاک نے محمد سے کہا: 'تم نے مجھے کیوں روکا، حالانکہ یہ تمہارے لیے فائدے کا ہے، تم پہلی اور آخری بار اس سے پانی پیو گے اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ مگر محمد نے انکار کر دیا۔ ضحاک نے اس معاملے میں سیدنا عمر بن خطاب سے بات کی۔ حضرت عمر بن خطاب نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور حکم دیا کہ وہ راستہ کھول دے۔ محمد نے کہا: 'نہیں!' تو حضرت عمر نے کہا: 'کیوں اپنے بھائی کو فائدے سے روکتے ہو، جو تمہارے لیے بھی فائدے کا ہے، تمہیں کوئی نقصان تو نہیں ہو گا۔ محمد نے پھر بھی انکار کیا۔

تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

والله ليمرن به ولو على بطنك فأمره عمر أن يمر به ففعل الضحاك [35]

'اللہ کی قسم، وہ نہر اسی راستے سے گزرے گی چاہے تمہارے پیٹ کے اوپر سے گزرے۔' پھر عمر نے حکم دیا کہ ضحاک کو راستے سے گزرنے دیا جائے، اور اس نے ایسا کیا۔

اس لئے یہ لازم ہے کہ ہم میں سے ہر شخص لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں لگا رہے تاکہ اللہ تعالیٰ ہماری ضرورتوں کو پورا کرے، اور ان کی مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کرے تاکہ اللہ تعالیٰ ہماری دنیا اور آخرت کی مشکلات کو دور کرے۔ اپنی زندگی کے ختم ہونے سے پہلے اور اپنے وقت کے گزرنے سے پہلے نیکیاں کرنے اور اطاعت میں اضافہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ مواقع ہمیشہ نہیں رہتے، اور وہ رکاوٹیں جو انسان کو عمل سے روکتی ہیں، بہت زیادہ اور غیر متوقع ہوتی ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔

شارح مشکوۃ امام طیبی نے تو اس خیر کو مال کے ساتھ جوڑا ہے جو ایک انوکھا علمی نکتہ ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

" والمعنى الذي يحتوي على خيرية المال وعلى كونه شراً هو المشبه بالخزائن، فمن توسل بفتح ذلك المعنى وأخرج المال منها وأنفق في سبيل الله ولا ينفقه في سبيل الشيطان، فهو مفتاح للخير مغلاق للشر، ومن توسل بإغلاق ذلك الباب في إنفاقه في سبيل الله وفتحه في سبيل الشيطان فهو مغلاق للخير، ومفتاح للشر.

اور وہ معنی جس میں مال کی بھلائی اور اس کے شر ہونے کا ذکر ہے، اسے خزانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جو شخص اس خزانے کو کھولنے کا ذریعہ بنا کر مال کو نکالے اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرے، اور شیطان کے راستے میں خرچ نہ کرے، وہ خیر کی کنجی اور شر کا دروازہ بند کرنے والا ہے۔ لیکن جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا دروازہ بند کرے اور شیطان کی راہ میں خرچ کا دروازہ کھولے، وہ خیر کا دروازہ بند کرنے والا اور شر کی کنجی ہے۔

دنیا میں امن کو برباد کرنے اور فساد پھیلانے میں سب سے زیادہ کردار مال و دولت کا ہے۔ متحارب گروپوں میں عموماً لڑائی جھگڑوں کو فروغ دینے اور اکسانے کے لئے مال خرچ کیا جاتا ہے اور اپنے مقاصد کا حصول آسان بنایا جاتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی مال کو حق کے رستے میں خرچ کرتا ہے اور شیطانی رستوں کے سامنے رکاوٹ کھڑی کر دیتا ہے تو وہ خیر کے رستے کے تالے کھول رہا ہوتا ہے جب کہ اس کا مقابل شخص جو شیطانی رستوں کو ہموار کرتا ہے وہی در اصل شر کے دروازے کھولنے والا ہے جو اللہ کی عنایات سے محروم رہتا ہے۔ بھلائی کے طلب گار کو چاہیے کہ وہ بھلائی کو تلاش کرتا رہے کیوں کہ بغیر تلاش اور طلب کے کوئی چیز نہیں ملتی اگر کوئی طلب کے لئے نکلتا ہے تو اسے منزل مل ہی جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے:

"مَن يتحر الخير يعطه ومن يتق الشر يوقه"[36]

جو شخص خیر کو تلاش کرتا ہے اللہ اسے خیر عطا فرما دیتا ہے۔ اور جو شر سے بچتا ہے اللہ اسے شر سے بچا لیتا ہے۔

یعنی جو شخص خیر کے حصول میں محنت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے وہ خیر عطا فرماتا ہے۔ انسان کے خیر کی کنجی ہونے اور شر کو بند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی ذات، وقت، محنت اور جو کچھ بھی وہ کر سکتا ہے، اسے اپنی ذات کے ساتھ ساتھ دوسروں، خصوصاً مسلمانوں کی بھلائی کے لیے وقف کرے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی زندگی کو درست رکھ کر بھی دوسروں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مسلمانوں اور آس پاس کے لوگوں کے لیے نفع بخش بناتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے، اور تمام انبیاء اپنی قوموں اور اطراف و اکناف کے لوگوں کے لیے رحمت بن کر آئے تھے۔ اسی طرح مسلمان اپنے معاشرے میں ایک ایسا چشمہ بن کر رہتا ہے جو خیر و برکت سے لبریز ہوتا ہے، نیکی کرتا اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتا، بھلائی کرتا اور دوسروں کو بھی اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جس سے وہ خیر کی کنجی اور شر کا دروازہ بند کرنے والا ہو جاتا ہے۔

خیر و شر کی مختلف کنجیاں ہیں۔ جس طرح شرک، تکبر، اور اللہ اور پیغام حق سے روگردانی سب شر کی کنجیاں ہیں۔ شراب کو ہر گناہ کی کنجی، بدکاری کو زنا کی کنجی، اور نظروں کو آوارہ چھوڑنے کو خواہش اور عشق کی کنجی بنایا۔ سستی اور آرام کو ناکامی اور محرومی کی کنجی، اور گناہوں کو کفر کی کنجی بنایا۔ جھوٹ کو نفاق کی کنجی، بخل اور حرص کو بخل کی کنجی، رشتہ داری توڑنے اور ناجائز مال حاصل کرنے کو اللہ کی ناراضگی کی کنجی بنایا، اور رسول ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت سے روگردانی کو ہر بدعت اور گمراہی کی کنجی بنایا۔ ان امور پر صرف صاحب بصیرت ہی غور کرتا ہے۔ اس لیے بندے کو چاہیے کہ وہ انہیں جانے اور ان کے مقاصد کو سمجھنے میں پوری توجہ دے۔

خلاصہ بحث

ہم اس بحث کے دوران درج ذیل اہم نتائج پر پہنچے ہیں:

1. اگر انسان روزمرہ معاملات میں اس مذکورہ حدیث اور اس کے متعلقات پر عمل پیرا ہو جائے اور ان امور کو اختیار کر لے جن کا اخلاقی طور پر حکم دیا گیا ہے یا جن پر خوشخبری سنائی گئی ہے تو معاملات سلجھ سکتے ہیں اور معاشرے میں پھیلے فساد کو کم ہی نہیں بلکہ سرے سے ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔
2. نبی کریم ﷺ نے اپنے اعمال و افعال سے یہ واضح کیا کہ لوگوں کی بھلائی اور فلاح و بہبود کا کام کرنا ہی مشیت ایزدی ہے اور اسی سے وہ ذات انسان سے خوش ہو کر انسان پر اپنے بے پایاں کرم کی برسات کرتا ہے۔

3. آج کے دور میں بالخصوص خیر و شر سے متعلق ان اصول وضوابط پر عمل پیرا ہونا چاہیے تاکہ ہماری ملت ترقی کی منازل طے کر سکے۔
4. جن مشکلات سے ہمارے ادارے اور انتظامیہ دوچار ہیں ان سے چھٹکارا پایا جاسکے اور قیام امن کے رستے ہموار ہو سکیں۔
5. خیر اور شر دونوں ہی متعدی امور سے ہیں اگر کوئی خیر اختیار کرتا ہے تو اس سے خیر عام ہوتی ہے اور جب کوئی شر اور فساد کا خواہاں ہوتا ہے تو اس سے خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

All Rights Reserved © 2025 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

حوالہ جات وحواشی

1 ۔ امام محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی، **السنن** (ریاض: دارالسلام، 2009ء) حدیث نمبر: 195۔

Imām Muḥammad ibn Yazīd Ibn Mājah al-Qazwīnī, al-Sunan (Riyāḍ: Dār al-Salām), Ḥadīth no. 195.

2 ۔ امام راغب حسین بن محمد الاصفہانی، **المفردات** (دفتر نشر الکتاب، س ن)، 1:160۔

Imām Rāghib Ḥusayn bin Muḥammad al-Aṣfahānī, Al-Mufradāt (Daftar Nashr al-Kitāb), 1:160.

3 ۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری** (ریاض: دارالسلام، ط: 1999ء)، حدیث نمبر: 3607۔

Imām Abū ʿAbdullāh Muḥammad bin Ismāʿīl, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī (Riyāḍ: Dār al-Salām), Ḥadīth No: 3607.

4 ۔ امام ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی، **السنن** (ریاض، دارالسلام، ط: 2009ء)، حدیث نمبر: 2263۔

Imām Abū ʿĪsā Muḥammad bin ʿĪsā al-Tirmidhī, Al-Sunan (Riyāḍ: Dār al-Salām), Ḥadīth No: 2263.

5 ۔ امام سلیمان بن احمد الطبرانی، **مکارم الاخلاق** (بیروت، دارالکتب العلمیہ، ط: 1989ء) 1:341۔

Imām Sulaimān bin Aḥmad al-Ṭabarānī, Makārim al-Akhlāq (Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah), 1:341.

6 ۔ ابن ماجہ، **السنن**، حدیث نمبر 238۔

Ibn Mājah, Al-Sunan , Ḥadīth No: 238.

7 ۔ زین الدین عبدالرؤوف المناوی، **فیض القدیر** (مصر، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، 1937ء)، 2:528۔

Zayn al-Dīn ʿAbd al-Raʾūf al-Munāwī, Fayḍ al-Qadīr (Miṣr: Al-Maktabah al-Tijārīyah al-Kubrā), 2:528.

8 ۔ امام سلیمان بن احمد الطبرانی، **المعجم الکبیر** (ریاض، دار الرایہ، الطبعۃ الاولی 1993ء)، حدیث نمبر: 13334۔

Imām Sulaimān bin Aḥmad al-Ṭabarānī, Al-Muʿjam al-Kabīr (Riyāḍ: Dār al-Rāyah), Ḥadīth No: 13334.

9 ۔ امام سلیمان بن اشعث ابوداود، **السنن** (ریاض، دارالسلام، ط: 2009ء)، حدیث نمبر: 3635۔

Imām Sulaimān bin Ashʿath Abū Dāwūd, Al-Sunan (Riyāḍ: Dār al-Salām), Ḥadīth No: 3635.

10 ۔ شیخ محمد شمس الحق عظیم آبادی، **عون المعبود، حاشیۃ ابن القیم** (بیروت، دارالکتب العلمیہ، 2009ء)، 12:176۔

Shaykh Muḥammad Shams al-Ḥaqq ʿAẓīmābādī, ʿAwn al-Maʿbūd, Ḥāshiyah Ibn al-Qayyim (Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah), 12:176.

11 - الترمذی، **السنن**، حدیث نمبر:1426۔

Al-Tirmidhī, Al-Sunan, Ḥadīth No: 1426.

12 - القرآن، سورہ محمد:4۔

Al-Qurʾān, Sūrah Muḥammad: Āyah 4.

13 - امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل، **المسند** (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ط:1995ء) حدیث نمبر:17311۔

Imām Abū ʿAbdillāh Aḥmad bin Ḥanbal, al-Musnad (Bayrūt: Muʾassasat al-Risālah), Ḥadīth no: 17311.

14 - القرآن، سورۃ الانعام:44۔

al-Qur'ān, Sūrat al-Anʿām: 44.

15 - الترمذی، **سنن الترمذی**، حدیث نمبر:2396۔

Al-Tirmidhī, Sunan al-Tirmidhī, Ḥadīth no: 2396.

16 - امام حاکم نیشاپوری، **المستدرک علی الصحیحین** (بیروت، دار المعرفۃ، الطبعۃ الاولی 1406ھ)، حدیث نمبر:8133، 1291۔

Imām Ḥākim al-Naysābūrī, al-Mustadrak ʿala al-Ṣaḥīḥayn (Bayrūt: Dār al-Maʿrifah), Ḥadīth nos: 8133, 1291.

17 - مسلم بن حجاج نیشاپوری، **صحیح مسلم** (ریاض، دار السلام)، حدیث نمبر:1828۔

Muslim bin Ḥajjāj al-Naysābūrī, Ṣaḥīḥ Muslim (Riyāḍ: Dār al-Salām), Ḥadīth no: 1828.

18 - الحاکم، **المستدرک علی الصحیحین**، حدیث نمبر:1572۔

Al-Ḥākim, al-Mustadrak ʿala al-Ṣaḥīḥayn, Ḥadīth no: 1572.

19 - امام ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر، ابن القیم، **حادی الارواح الی بلد الافراح** (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الثالثۃ:1998ء)، 68:1۔

Imām Abū ʿAbdillāh Muḥammad bin Abī Bakr, Ibn al-Qayyim, Ḥādī al-Arwāḥ ilā Bilād al-Afrāḥ (Bayrūt: Muʾassasat al-Risālah), 1:68.

20 - القرآن، سورۃ ق:25۔

al-Qur'ān, Sūrat Qāf: 25.

21 - صحیح مسلم، حدیث نمبر:7482۔

Ṣaḥīḥ Muslim, Ḥadīth No: 7482

22 - صحيح البخاري، حديث نمبر:1445.

Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, Ḥadīth No: 1445.

23 - امام ابو بکر عبد اللہ محمد ابن ابي الدنيا، **قضاء الحوائج** (دار ابن حزم، الطبعۃ الاولی:2002ء)، حدیث نمبر:906۔

Imām Abū Bakr ʿAbd Allāh Muḥammad Ibn Abī al-Dunyā, Qaḍāʾ al-Ḥawāʾij (Dār Ibn Ḥazm), Ḥadīth No: 906.

24 - الترمذي، حديث نمبر:1970۔

Al-Tirmidhī, Ḥadīth No: 1970.

25 - صحیح مسلم، حدیث نمبر:35۔

Ṣaḥīḥ Muslim, Ḥadīth No: 35.

26 - صحیح البخاری، حدیث نمبر:1432.

Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, Ḥadīth No: 1432;

27 - صحيح البخاري، حديث نمبر:2518۔

Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, Ḥadīth No: 2518.

28 - صحیح البخاري، حدیث نمبر2369۔

Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, Ḥadīth No: 2369.

29 - صحیح مسلم، حدیث نمبر:732۔

Ṣaḥīḥ Muslim, Ḥadīth No: 732.

30 - المناوی، **فیض القدیر**، 5:456۔

Al-Munāwī, Fayḍ al-Qadīr, 5:456.

31 - الطبرانی، المعجم الکبیر، 12:358۔

Al-Ṭabarānī, Al-Muʿjam al-Kabīr, 12:358.

32 - علی بن الجعد البغدادی، **مسند ابن الجعد** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الثانیۃ:1996ء)، حدیث نمبر:1163۔

Alī bin al-Jaʿd al-Baghdādī, Musnad Ibn al-Jaʿd (Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah), Ḥadīth No: 1163.

33 - صحیح مسلم، حدیث نمبر:857۔

Ṣaḥīḥ Muslim, Ḥadīth No: 857.

34 - سنن الترمذي، حدیث نمبر:1332۔

Sunan al-Tirmidhī, Ḥadīth No: 1332.

35 - امام شرف الدین الحسین بن عبد اللہ الطیبی، **الکاشف عن حقائق السنن** (ریاض، مکتبہ نزار مصطفیٰ، الطبعۃ الاولی:1997ء)، 10:330۔

Imām Sharaf al-Dīn al-Ḥusayn bin ʿAbd Allāh al-Ṭībī, Al-Kāshif ʿan Ḥaqāʾiq al-Sunan .(Riyāḍ: Maktabah Nizār Muṣṭafá), 10:330

36 - ابو بکر احمد بن علی، الخطیب البغدادی، **تاریخ بغداد** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الثانیۃ:2004ء)، 23:332۔

Abū Bakr Aḥmad bin ʿAlī al-Khaṭīb al-Baghdādī, *Tārīkh Baghdād* (Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah), 23:332.